

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے احیاء کی تحریک کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Revival Movements for Hadith in the Subcontinent Indo-Pak

* Murtaza Khan

** Dr Hafiz Muhammad saleem

ABSTRACT

The connection between Arab and Hindustan continued just after the coming of Muslims to this land in the 1st century. After habitation here, Muslims spread their knowledge here and began to teach Quran-o-Hadith to the native people. Soon, Islamic knowledge became widespread here in such a way that Ilm-e-Hadith had been taught in numerous Islamic schools for four centuries. After this era, the influence of Ilm-e-Hadith started to deduce here and people turned their faces towards other arts and subjects. Due to these facts, these subjects took place of Ilm-e-Hadith and went towards the background of other subjects. Observing these phenomena, many Islamic scholars struggled to re-establish Ilm-e-Hadith in the land of the sub-continent and after them, their apostles came forward to advance their uncomplete mission. Because of their efforts, Ilm-e-Hadith survived in this land. In this paper, it has been analyzed how many movements for establishing the Ilm-e-Hadith had arisen here and what they left impacts here.

Keywords: Ilm-e-Hadith, Sub-continent, religious movements

اوراق تاریخ قدیمہ اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ عربستان و ہندوستان کے مابین تعلقات کا سلسلہ بہت قدیم ہے جس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا دشوار ہے تاہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ کرہ ارض وجود میں آنے کے بعد سے ہی یہ تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ اہل عرب کی اکثریت کا پیشہ تجارت تھی اور وہ اسی غرض سے قریب و بعید ممالک کے تجارتی بازاروں میں اپنے سامان تجارت کی خرید و فروخت کے لیے جایا کرتے تھے۔ جنوبی عرب کے ساحل اور ہندوستان کے علاقے سندھ کی ساحلی پٹی مکران قدرتی طور پر بہت زیادہ قریب ہیں جس کی وجہ سے ان دونوں علاقوں کے لوگوں کے مابین تجارتی روابط اور تعلقات کا قائم ہو جانا ایک قدرتی اور ناگزیر عمل تھا۔ عرب کے باشندے جنوبی ہند کی بندر گاہوں سے اپنا سامان تجارت لاتے جاتے رہے تھے حتیٰ کہ بہت سے عرب تاجر ایسے بھی تھے جنہوں نے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی اور یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔^{۲/۱}

* Ph.D. Scholar, Islamic and religious studies mohi-ud-din Islamic university nerian Sharif AJK.

** Assistant Professor, Islamic studies mohi-ud-din Islamic university nerian Sharif AJK.

ہندوستان کے متعلق مسلمانوں کی معلومات

نبی کریم ﷺ کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام کو بھی ہندوستان میں پیدا ہونے والی مختلف قدرتی اشیاء سے واقفیت تھی۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والی مختلف قدرتی نباتات و جڑی بوٹیاں سمیت مرچ، لونگ، ادراک، ساگوان کی لکڑی اور ہندوستانی تلواریں باقاعدہ ان کے زیر استعمال تھیں جن کے متعلق کچھ احادیث میں بھی تذکرہ پایا جاتا ہے بلکہ بہت سی روایات تو ایسی ہیں جن میں باقاعدہ ہند کا لفظ بھی موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب کفار مکہ کو دعوت اسلام دینی شروع کی تو کچھ ہی وقت میں یہ خبر ہندوستان تک پہنچ چکی تھی کیونکہ اس دور میں بھی عربوں کے تجارتی قافلے چین، انڈونیشیا، مالدیپ، سری لنکا اور مالا بار تک جاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اسی دور میں ہندوستان میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ بھی کچھ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جسے دیکھ کر مالا بار کا ہندو راجہ تو اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے فی الفور اسلام قبول کر لیا۔^۳

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں ہی ہو چکی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک مغربی ہند کے علاقوں ممبئی اور تھانہ بھون میں بہت سے مسلمانوں نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ تاہم اس علاقے میں آنے والے مسلمانوں میں زیادہ تعداد تابعین کی تھی جن کی تبلیغی مساعی کی بدولت اس خطے کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ تاریخ کے اوراق اس امر کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ تابعین کے علاوہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہاں تشریف لائے جنہوں نے یہاں کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے فرمودات ”احادیث مبارکہ“ کی تعلیم دی۔ یہ مقدس ہستیاں چلتے پھرتے علم حدیث کے مدرسے تھے اور انہوں نے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ یہاں حدیث مبارکہ اور دیگر قرآنی علوم کی اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابتدائے اسلام کی چار صدیوں تک ہندوستان کے لوگوں کی بڑی تعداد کا رجحان علم حدیث کی طرف تھا اور اس زمانے میں ہندوستان میں قرآن و حدیث کے علاوہ کسی دوسرے علم یا فن کا وجود نہ تھا۔^۴

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی طرف لوگوں کے مائل ہونے کے بارے میں سید عبدالحی لکھتے ہیں کہ

”۱۲۵۸/۶۵۶ میں سقوط بغداد کے بعد برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا۔ زیادہ تر ادب، شعر، فقہ، اصول فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحانات تھے۔ حدیث کی طرف ان کا اتنا ہی رجحان تھا جس قدر احادیث فقہ کی کتب میں آجاتی تھیں اور اگر کوئی مصابیح السنۃ پڑھ لیتا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔“^۵

سقوط بغداد کے علاوہ برصغیر میں اسماعیلی فرقے قرامطہ کے مقتدر ہو جانے کی وجہ سے بھی یہاں علم حدیث سمیت متعدد علوم اسلامیہ پر اثر پڑا۔ قرامطہ کی حکومت ملتان اور منصورہ پر تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح سندھ تک بھی اثر انداز ہوتے رہے جس کی وجہ سے یہاں علم حدیث کی اہمیت ماند پڑتی گئی جسے عربوں نے چار سو سال محنت کر کے عروج پر پہنچایا تھا۔^۶

سید سلیمان ندویؒ کے مطابق سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) کے دور میں ہندوستان میں علم حدیث کے زوال کا یہ عالم تھا کہ اس وقت ایک مناظرہ ہوا جس میں ایک طرف شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور ان کے بالمقابل دیگر علما کرام تھے۔ جب شیخ نظام الدین کوئی حدیث ان کے سامنے پیش کرتے تو وہ بڑی بے باکی اور جرات سے کہا کرتے کہ اس علاقے میں روایات کو حدیث پر مقدم کیا جاتا ہے۔^۷ اس صورت حال کے باوجود یہاں کچھ ایسی شخصیات بھی وارد ہوئیں جنہوں نے اس جنون اور بے اعتدالی کو قبول نہ کیا۔ ان حضرات میں شیخ علی المتقیؒ، شیخ حسن بن محمد صغانی،

شیخ محمد حیات سندھی اور شیخ محمد طاہر پٹنی مشہور و معروف ہیں جو اس صورت حال میں بھی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ان کے بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے سر زمین ہندوستان میں اپنی تعلیمات کی بنیاد کو کسی الہام و کشف یا مرشد کے مشرب کے بجائے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر استوار کیا۔ اس ضمن میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

”حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی تعلیمات کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم اور شائکل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہونے لگی۔“^۸

نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی کے آغاز میں برصغیر پاک و ہند میں حدیث مبارکہ کے علوم کا صحیح معنوں میں ارتقا ہوا جو کہ آج اکیسویں صدی تک جاری ہے۔ برصغیر میں علوم الحدیث کو فروغ بخشنے میں تین علما کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان علما کرام میں شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن بن محمد سخاوی (۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء) اور ان کے شاگرد، مولانا عبدالحق دہلوی (۱۰۵۲ھ / ۱۶۶۲ء) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۴۴ھ / ۱۷۶۰ء) میں شامل ہیں جنہوں نے علم حدیث کے احیاء و فروغ کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی جس کے دیرپا اثرات برصغیر میں ہنوز باقی ہیں۔ ان علما کرام کی خدمات تاریخ اسلامی میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گے۔^۹

برصغیر میں علم حدیث کی شروعات و ارتقا

علوم الحدیث میں وہ تمام قواعد شامل ہیں جن کو بروئے کار لا کر سند و متن کی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث میں راوی اور مروی کے حالات و احوال سے بحث کی جاتی ہے۔ عموماً علوم الحدیث کی بنیادی تعریف یہی کی جاتی ہے کیونکہ یہ علم ان تمام علوم کا احاطہ کر لیتا ہے جن کا تعلق براہ راست حدیث سے ہے۔ اس علم کا منبع و ماخذ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے جس میں مؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی شخص کسی معاملے کی خبر لائے تو وہ اس خبر کی خوب چھان پھٹک کرنے کے بعد کوئی حتمی فیصلہ کریں۔^{۱۰}

حدیث اور علوم الحدیث کا تعلق لازم اور ملزوم ہے کیونکہ علوم الحدیث کی شروعات علم حدیث کی ابتدا کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ غار حرا میں جب نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تو نبی مکرم ﷺ نے اس بات کو سب سے پہلے اپنی زوجہ مطہرہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا۔ ”نبی کریم ﷺ کے اس بیان مبارک کے ساتھ ہی راوی اور مروی کے حالات و احوال کی سند اور اس پر بحث کا آغاز ہو گیا تھا۔ عہد نبوی میں علم حدیث کے حوالے سے احتیاط برتنے کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“^{۱۱}

”جس کسی نے بھی جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹی بات منسوب کی تو اس چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آتش جہنم میں بنالے۔“

اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حدیث بیان کرنے میں نہایت احتیاط کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی حدیث نبوی ﷺ کے مقبول و مردود کے حوالے سے کمال احتیاط برتی جاتی تھی^{۱۲} اور سیدنا عمر فاروقؓ نے تو خبر واحد حدیث کو تسلیم کرنے کے لیے بھی بہت زیادہ محتاط رویہ اختیار کیا تھا جس کے سبب سے آپ کے زمانہ خلافت میں حدیث مبارکہ کو متعدد سندوں

کے ساتھ روایت کرنے کے سلسلے کا آغاز ہوا۔^{۱۲} سیدنا علیؑ کے دور میں حدیث بیان کرنے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت علیؑ جیسے جلیل القدر صحابی بھی حدیث رسول ﷺ بیان فرماتے وقت قسم اٹھا کر بیان فرماتے اور جب کسی سے حدیث سنتے تو اس سے بھی قسم اٹھواتے۔^{۱۵} امام ابن سیرینؒ صحابہ کرامؓ کے متاخر ادوار کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ

”لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا النَّارِجَالَكُمْ، فَيَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الشُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدْعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ۔“^{۱۶}

”محدثین اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنے نے سر اٹھایا تو محدثین سند میں مردوں کے نام پوچھتے تاکہ معلوم ہو کہ روایت اہل سنت سے ہیں تو ان کی احادیث قبول کی جائیں اور اگر اہل بدعت سے ہیں تو ان کی احادیث رد کی جائیں۔“

نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ادوار میں احادیث کے علوم ایک مستقل فن کی صورت میں موجود نہ تھے تاہم یہ علوم ارتقائی اور تدوینی مراحل میں تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ (م ۱۰۱ھ) کے حکم صادر فرمانے پر امام المحدثین محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ نے احادیث نبویہ کی تدوین اور علوم الحدیث کے قواعد و ضوابط کو مرتب کرنے کا ایک شاندار کام سر انجام دیا جس کی وجہ سے اکثر اہل علم نے امام زہریؒ کو ”علم مصطلح الحدیث“ کا لقب دیا ہے۔^{۱۸/۱۷}

برصغیر پاک و ہند میں صحابہ کرامؓ کی باقاعدہ آمد سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں ہوئی اور اس وقت تک حفظ روایت کے حوالے سے جو کچھ بھی بنیادی قواعد و اصول عرب میں رائج تھے، انہیں اپنے ہمراہ لے کر آئے اور یہاں لوگوں کو ان کی تعلیم دی۔ بعد میں جب محمد بن قاسمؒ نے برصغیر کے متعدد علاقے فتح کیے تو اس نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں بہت سی مساجد تعمیر کروائیں جن میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم و تدریس کا اس وقت طریقہ سماع اور بیان تھا جسے سن کر طلباء یاد کر لیا کرتے اور محدث دہانے پر لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ چوتھی صدی سے لے کر نویں صدی ہجری تک برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے حوالے سے کوئی نمایاں تصنیفی کام نظر نہیں آتا جب کہ اس زمانے میں دیگر بلاد اسلامیہ میں علم حدیث پر وسیع پیمانے پر کام ہوا تاہم برصغیر میں حدیث کا معاملہ درس و تدریس اور بیان و سماع تک ہی محدود رہا۔ طویل عرصہ تک ہندوستان میں اسلامی حکومت کے باوجود اصول حدیث کے حوالے سے صرف ایک کتاب ”شرح نخبة الفكر“ پڑھائی جاتی تھی جب کہ دیگر فنون میں منطق و فلسفہ پڑھایا جاتا تھا۔ یہاں علم حدیث کے ماہرین کی تعداد بہت کم تھی جس کی وجہ سے اگر مدرسوں کے باہر کوئی حدیث پر فنی کتاب پڑھنے کا خواہاں ہوتا تو اسے اس کے لیے کوئی استاد بمشکل ہی میسر ہوتا تھا چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس طالب علم کو ہندوستان سے باہر کا سفر کرنا پڑتا تھا۔^{۱۹}

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے احیاء کی پہلی تحریک

محمد بن عبدالرحمن سخاوی (م ۹۰۲ھ/ ۱۴۹۶ء) کے تلامذہ نے برصغیر میں پہلی مرتبہ علم حدیث کے احیاء کے لیے باقاعدہ تحریک کا آغاز کیا۔ شیخ سخاویؒ کی پیدائش ۸۳۱ھ/ ۱۴۲۷ء میں مصر کے شہر قاہرہ میں ہوئی۔ آپ اپنے دور کے محدث کبیر تھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں مدینہ

منورہ تشریف لے گئے جہاں ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔ آپ کے تلامذہ کا سلسلہ مختلف ممالک تک پھیلا ہوا ہے اور ان کے ہندوستانی شاگردوں نے شیخ سے استفادہ کرنے کے بعد برصغیر میں حدیث مبارکہ کی ترویج و اشاعت کے لیے کوششیں کی۔ عرب و ہند کے مابین بری راستہ کافی پر خطر تھا جب کہ بحری راستوں پر ہندو قابض تھے جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے عرب کا سفر کرنا کافی دشوار تھا۔ جب مسلمان حکمران علاؤ الدین خلجی (۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء) نے گجرات کا علاقہ فتح کر لیا اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہاں کے نواب اور گورنر مظفر خان (۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء) میں اس علاقے کی خود مختاری کا اعلان کر دیا تو پھر ہندوستان کے مسلمانوں کو یہاں سے عرب جانے کے لیے بحری راستہ اختیار کرنا ممکن ہو سکا۔ ۸۱۳ھ میں نواب مظفر خان کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹے احمد خان نے زمام اقتدار سنبھالی تو اس نے ہندوستانی علما کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی جس کی وجہ سے گجرات میں بہت سے علما کی آمد ہوئی اور یہ علاقہ علوم الحدیث کا ایک اہم مرکز بنا۔ سلطان اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ء / ۱۵۵۶ھ تا ۱۶۰۵ء) نے دسویں صدی ہجری میں گجرات فتح کیا تو علم حدیث کے حوالے سے اس علاقے کی مرکزی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا جس کے بعد ہندوستان میں علم حدیث کا دوسرا مرکز دہلی بن گیا اور مغلیہ سلطنت کے خاتمے تک دہلی کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔^{۲۰}

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے احیاء کی دوسری تحریک

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے احیاء و ارتقاء کی دوسری تحریک کا آغاز ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء میں ہوا۔ اس تحریک کے محرک و بانی مولوی عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) تھے۔ شیخ عبدالحق کی ولادت دہلی میں ۹۵۸ھ / ۱۵۵۰ء میں ہوئی اور آپ نے ابتدائی تعلیم دہلی میں ہی حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ مزید تعلیم کے حصول کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ہندوستان کے محدث شیخ علی المتقی (م ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) کے سامنے علم حدیث کے لئے زانوئے تلمذ کیا۔ شیخ عبدالحق کچھ وقت کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے آئے اور علم حدیث کی ترویج و احیاء کے لیے باقاعدہ تحریک کا آغاز کیا۔ آپ کی تحریک سے قبل برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کے لیے کوئی خاص کام نہیں کیا جا رہا تھا۔ مدارس میں روایتی عربی کتب پڑھائی جا رہی تھیں چنانچہ آپ نے علم حدیث کی ترویج کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے سو سے زائد کتب تحریر کیں جن میں بہت سی کتابوں کی شروحات بھی شامل ہیں۔ بعد ازاں شیخ عبدالحق کو کتابوں کو اس قدر پزیرائی ملی کہ ان کی کافی کتابیں مختلف مدارس میں پڑھائی جانے لگیں۔ آپ کے ہونہار شاگردوں نے آپ کو تحریک کو مزید جلا بخشی اور اسے عروج پر پہنچایا۔ آپ کے شاگردوں میں آپ کے فرزند مولانا نورالحق نے بخاری، مسلم اور ابوداؤد شریف کی مختلف شروحات لکھیں۔ شیخ نورالحق کا وصال ۱۰۷۳ھ میں اس حال میں ہوا کہ وہ صحیح مسلم کی شرح منبع العلم لکھ رہے تھے تاہم یہ شرح مکمل نہ ہو سکی جسے بعد میں ان کے فرزند حافظ فخر الدین نے مکمل کیا۔ شیخ نورالحق کے شاگردوں میں مشہور محدث شیخ سید مبارک بلگرامی^{۲۱} شامل ہیں جب کہ شیخ عبدالحق کے معروف شاگرد ملا حیدر کشمیری (م ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۶ء) اور خواجہ خواند معین الدین (۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء) شامل ہیں۔^{۲۲}

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے احیاء کی تیسری تحریک

برصغیر پاک و ہند میں علوم الحدیث کے احیاء و ارتقاء کی تیسری تحریک کا تعلق ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء سے ہے۔ اس زمانے میں حدیث کے علم کو بے تحاشہ فروغ ملا۔ اس تحریک کے مؤسس شیخ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین تھے جن کا معروف نام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

(م ۱۷۵ھ / ۷۶۱ء) ہے۔ آپ کی ولادت ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء میں شہر دہلی میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم گھر میں ہی اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء) سے حاصل کیں۔ بعد ازاں حصول علم کے لیے عرب کی سرزمین کا سفر کیا اور ایک بڑے محدث شیخ طاہر مدنیؒ (م ۱۱۳۵ھ) سے علوم الحدیث کا اکتساب کرنے کے بعد ۱۱۲۵ھ / ۱۷۳۰ء میں واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔ ہندوستان آنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہاں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے فروغ کے لیے انتہائی اہم اور تاریخی کردار ادا کیا جس کے اثرات کئی صدیاں گزرنے کے بعد ہنوز برقرار ہیں۔ آپ نے علم حدیث کی خدمت کرتے ہوئے متعدد کتب لکھیں جن میں بہت سی کتابوں نے آفاقی شہرت حاصل کی۔ ان کتابوں میں شرح تراجم البخاری، الموسویٰ شرح موطا، النوادر من الحدیث، اربعین اور حجة اللہ البالغة سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کے کام کو مزید آگے پھیلایا۔ آپ کے شاگردوں میں آپ کے فرزند بھی شامل ہیں جو بعد میں خود بھی بڑے بزرگ اور ولی اللہ بنے۔ آپ کے فرزندوں کے اسماء گرامی شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۸۲۰ء)، شاہ عبدالقادرؒ (م ۱۸۲۶ء)، شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۸۱۷ء) اور شاہ عبدالغنیؒ (م ۱۸۷۸ء) ہیں۔ آپ کے تلامذہ نے آپ کی تحریک کو وسعت بخشنے ہوئے برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے متعدد حلقہ درس قائم کیے جس کے اثرات نہ صرف ہندوستانی معاشرے پر بلکہ بیرون ہند بھی پڑے۔ خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے تین بڑے مسالک دیوبند، اہل حدیث اور بریلوی پر بھی ان کی تحریک کے اس قدر زبردست اثرات مرتب ہوئے کہ یہ تینوں مسالک اپنی نسبت شاہ صاحبؒ کی طرف کرتے ہیں۔^{۲۷}

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد علم حدیث کی ترویج کے لیے ایک بڑا کام ان کے نواسے شاہ اسحاقؒ نے کیا۔ شاہ اسحاقؒ نے حدیث کی اجازت شیخ عمر بن عبدالعزیز المکی سے حاصل کی اور اس کے علاوہ آپ نے علم حدیث کے سمندر سے مستفید ہونے کے لیے اپنے محترم ماموں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ ہوئے۔ آپ نے ان حضرات منقولات و معقولات کو نہایت دل جمعی اور محنت سے پڑھا جسے دیکھتے ہوئے شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کی تحریر کو شاہ اسماعیل، تحریر کو رشید الدین اور تقویٰ کو شاہ اسحاقؒ نے کلی طور پر اخذ کر لیا ہے۔^{۲۸} برصغیر پاک و ہند کے مشہور ماہر تعلیم سرسید احمد خان شاہ محمد اسحاقؒ کے متعلق یہ رائے دیتے تھے کہ انہوں نے متعدد بار شاہ محمد اسحاقؒ کے حلقہ درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ شاہ صاحبؒ کے درس میں خلقت آیا کرتی تھی اور باہر مردوں کا اڑدھام ہوا کرتا تھا تو خواتین کا اجتماع زنان خانے میں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ شاہی محلات کی خواتین بھی ان کے درس میں حاضر ہوتی تھیں جن کی ڈولیوں اور پاکلیوں کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آپ کے شاگردوں میں شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیلؒ، شاہ محمد یعقوبؒ، میاں نذیر احمد دہلویؒ، شیخ محمد انصاریؒ، شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور سرسید احمد خان بھی شامل ہیں تاہم شاہ محمد اسحاقؒ کے بعد ان کی مسند درس پر براجمان ہونے کی سعادت سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے حصے میں آئی۔^{۲۹} آپ کی مشہور و معروف تصانیف ہیں مسائل اربعین، تذکرۃ الشام اور مائتہ مسائل شامل ہیں۔^{۳۰} آپ کا انتقال ۱۸۴۹ء میں مکہ المکرمہ میں ہوا اور وہیں ان کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ نماز جنازہ پڑھانے کے فرائض شیخ عبداللہ سراج المکی نے سرانجام دیئے۔^{۳۱}

شاہ محمد اسحاقؒ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی ترویج کے لیے بڑا نام مولانا عبداللہ الحی فرنگی محلی لکھنوی کا آتا ہے جن کی کوششوں سے علم حدیث کو فرنگی محل میں عروج ملا۔ علوم دینیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا عبداللہ الحی نے خود کو درس و تدریس، تحقیق و تدقیق اور تصنیف و تالیف میں مصروف کر لیا تھا۔^{۳۲} محمد طفیل نے نقوش رسول ﷺ نمبر میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

”ایک عالم آپ کے درس سے فیض یاب ہوا۔ موصوف اس قدر کثیر الدرس اور کثیر التصنیف تھے کہ آپ کے علوم کی اشاعت اور فیض کی شہرت آپ کی زندگی میں ہی تمام دنیا میں پھیل گئی اور قریب مجددیت کو پہنچ گئے۔۔۔۔۔ آپ کی تدریسی و تصنیفی خدمات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف و دیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوتے رہے۔ معقول و منقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحہ تک موجیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم و فنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا باکمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا۔ متون کتب میں سے مولانا نے مسند امام ابو حنیفہ، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا اور ان کو شائع کیا۔ متعلقات حدیث میں سے موضوعات سیوطی، المقاصد الحسنہ، امام سخاوی اور فیح المغیث فی اصول الحدیث اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابیں ان کے اشارہ سے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں۔“^{۳۳}

آپ نے مختلف موضوعات پر ایک سو دس کتب تصنیف فرمائیں تاہم حدیث پر لکھی گئی کتب درج ذیل ہیں۔

۱. التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد
۲. الاوجوب الفاضلہ للاسنۃ العشرۃ الکاملۃ
۳. الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل
۴. الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ
۵. النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر
۶. ظفر الامانی فی شرح المختصر المنسوب للبحر جانی فی المصطلح^{۳۴}

مولانا عبدالحی کے بعد انہی کے ایک معاصر نواب محمد صدیق حسن خان علم حدیث کے فروغ کے لیے آگے بڑھے۔ علوم دینیہ سے خود کو مزین کرنے کے بعد جب نواب صدیق حسن خان صاحب ریاست بھوپال آگئے تو ان کی کوششوں سے یہاں علم حدیث کو بے پناہ عروج و رفعت ملی اور ہندوستان کے بے شمار لوگوں نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے ریاست بھوپال کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی مساعی کے باعث نہ صرف ریاست بھوپال کی قسمت جاگ گئی بلکہ یہاں کے مسلمانوں کو بھی دینی برکات سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملا۔ نواب صدیق حسن صاحب نے اس علاقے میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے ایک نئی جہت متعین کرتے ہوئے حفظ قرآن کی مانند حدیث کے حفظ کے التزام کے لیے بھی کوششیں شروع کیں اور اس حوالے سے بخاری شریف سے بلوغ المرام پڑھنے والے طلباء کے لیے احادیث حفظ کرنے پر مختلف وظائف و انعامات کا اعلان کیا۔ آپ کی علم حدیث کی خدمات کے معترف سید سلیمان ندوی بھی ہیں۔ اس متعلق وہ لکھتے ہیں کہ مولانا ندیر حسین دہلوی کے درس اور نواب صدیق حسن خان کے قلم سے عوام الناس کو کثیر فائدہ پہنچا۔ نواب صاحب نے زر کثیر خرچ کرتے ہوئے متعدد علمی اور دینی کتب کو عرب و عجم کے دور دراز علاقوں سے منگوایا اور لوگوں میں بلا عوض تقسیم کیں۔ اس کے علاوہ خود نواب صاحب نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے اردو، فارسی اور عربی میں بے شمار کتابچے تصنیف فرمائے۔^{۳۵}

ان کے بعد علم حدیث کے میدان کی خدمت کے لیے جو ہستی سامنے آئی وہ مولانا محمود الحسن کی ہے جنہوں نے بعد ازاں شیخ الہند کے لقب سے شہرت پائی۔ شیخ الہند صاحبؒ نے چھ برس کی عمر سے علم حدیث کا اکتساب شروع کیا اور صحاح ستہ سمیت دیگر کتب پڑھنے کے لیے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے استفادہ کیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے جن کی فراغت ۱۸۷۱ء میں ہوئی۔^{۳۶} دارالعلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا محمد اصغر صاحب شیخ الہندؒ کے درس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ

”مولانا محمود الحسن مسائل مختلف فیہ میں آئمہ ثلاثہ رحمہ اللہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور پر دلائل بھی نقل فرماتے لیکن جب امام ابو حنیفہؒ کا نام آتا تو مولانا محمود الحسنؒ کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشارت، تقریر میں روانی اور لہجے میں جوش پیدا ہو جاتا۔ دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے۔ تقریر رکتی ہی نہ تھی اور اس خوبی سے مذہب امام اعظمؒ کو ترجیح دیتے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے۔ دور دور کی مختلف المضامین احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اترتی تھی اور سامعین کو دل اور آنکھوں سے نظر آ جاتا کہ یہی حق ہے۔“^{۳۷}

شیخ الہند کے بعد ایک بڑا نام علم حدیث کی خدمت کے میدان میں مولانا احمد علی سہارنپوری کا نام آتا ہے جنہوں نے ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد شیخ وجیہ الدین سے سند حدیث حاصل کرتے ہوئے مکہ المکرمہ کا سفر کیا اور شاہ محمد اسحاقؒ سے صحاح ستہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح اور جامع ترمذی کی تصحیح کرتے ہوئے ان پر تعلیق و حواشی تحریر کیے^{۳۸} اور بخاری شریف پر تعلیقات تحریر کرتے ہوئے صحیح بخاری کی اسناد اور متن کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ نہایت مفید معلومات تحریر کیں جو کہ ایک طالب حدیث کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے حدیث کی متعدد کتب پر حواشی تحریر کیے اور ان کی اشاعت و طباعت کے لیے اپنے معروف تلمیذ رشید مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہمراہ مل کر ایک مکتبہ بھی قائم کیا جس نے ان کتب کو چھاپ کر سالوں تک اشاعت علم کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔^{۳۹} مزید یہ کہ سب سے پہلے آپ نے صحیح مسلم کی تصحیح کرتے ہوئے اس کو شرح نووی کے ساتھ چھاپا جس کا پہلا ایڈیشن کچھ ہی عرصہ میں نایاب ہو گیا تو دوسرا ایڈیشن مطبع الفضل المطابق دہلی سے مولانا محمد حسین فقیر و شیخ ظفر علی نے شائع کیا۔^{۴۰}

مولانا احمد علی سہارنپوری کے بعد برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی خدمت کرنے کے لیے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آگے آئے۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے حاصل کی^{۴۱} اور تقریباً پچاس سال تک گنگوہی میں تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔^{۴۲} علامہ انور شاہ کاشمیریؒ آپ کی علمی قابلیت و استعداد کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ

”مولانا گنگوہیؒ نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ ان کے سوا کسی کو چاروں مذاہب کا ماہر نہ دیکھا۔ ان کے درس حدیث سے تین سو جید علماء فیض یاب ہوئے۔“^{۴۳}

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تصنیفات کی تعداد پندرہ ہے جن میں ترمذی شریف کی تقریر الکوکب الدری بھی شامل ہے۔ یہ تشریح حدیث دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف ہیں فتاویٰ رشیدیہ، امداد السلوک، سبیل الارشاد اور قطوف دانیہ شامل ہیں۔^{۴۴}

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے میدان میں خدمات کے حوالے سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے صحاح ستہ میں شامل حدیث کی کتاب ابو داؤد شریف کی شرح ”بذل الجہود شرح سنن ابی داؤد“ کے نام سے لکھی۔ اس کتاب میں آپ نے حدیث مبارکہ کی صحت و سند پر بحث کرتے ہوئے نہ صرف سند کی پیچیدگیاں دور کیں بلکہ مطالب و اختلافات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی۔ آپ کے مشہور تلامذہ مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا روشن دین ہیں۔^{۴۳}

مولانا سہارنپوری کے بعد برصغیر میں علم حدیث کے حوالے سے محدث عصر علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کو شہرت ملی۔ آپ کا حافظہ اس قدر با کمال اور بے مثال تھا کہ جس بات کو ایک بار پڑھ لیتے، زندگی بھر کبھی نہیں بھولتے تھے۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں قرآن کریم کا نظرہ پڑھنا شروع کیا اور صرف چھ سال کی عمر میں نہ صرف قرآن کریم کا نظرہ مکمل کر لیا بلکہ اس کے علاوہ کچھ فارسی رسائل بھی پڑھ لیے۔^{۴۵}

آپ نے علم حدیث کی تشریح و تفصیل میں علم صرف و علم نحو، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم المعانی، علم البلاغت، علم الاسرار والحکم، علم سلوک و تصوف، فن فلسفہ و منطق اور سائنسی اور عصری علوم کا زبردست اضافہ فرمایا۔ آپ کے درس کا طرہ امتیاز علم الرجال کی بحثیں، مصنفین کی سوانح و تواریخ اور تالیفات و تصنیفات پر نقد تھا۔^{۴۶} آپ اس ضمن میں فقہ الحدیث میں کلام کرتے تو پہلے آئمہ اربعہ کی آراء نقل فرماتے ہوئے ان کے دلائل بیان کرتے۔ پھر اس مذہب کے فقہاء کے نزدیک قوی رائے بیان کرتے ہوئے امام اعظمؒ کے مسلک کی ترجیحات بیان فرماتے۔^{۴۷} آپ کی حلقہ تدریس میں فقہ کا رنگ غالب تھا۔ آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی جسے بعد میں ”فضیلت الباری علی صحیح البخاری“ کے نام سے مولانا بدر عالم میرٹھی کی طرف سے شائع کیا گیا۔^{۴۸}

حواشی و حوالہ جات

- ^۱ شیخ محمد اکرام، آپ کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء)، ص ۲۰-۱۹۔
- ^۲ قاضی محمد اسلم سیف فیروزپوری، تحریک الحدیث تاریخ کے آئینہ میں (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۲۔
- ^۳ بزرگ بن شہریار، رام ہرمزی (حیدرآباد دکن: اسلامک کلچر حیدرآباد دکن، سن)، ص ۵۳-۵۲۔
- ^۴ زبیر احمد صدیقی، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۱۔
- ^۵ فقہائے ہند (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۶ء)، ج ۱، ص ۲۲۳۔
- ^۶ محمد اسحق، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، مترجم: شاہد حسین رزاقی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۷ء)، ص ۵۶۔
- ^۷ سید سلیمان ندوی، مقالات سید سلیمان ندوی، معین الدین (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۱۹۶۸ء)، ج ۲، ص ۳۰۷-۳۰۶۔
- ^۸ ندوی، ص ۳۰۷-۳۰۶۔
- ^۹ محمد طفیل، نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۳ء)، ج ۶، ص ۳۲۔

- ۱۰۔ القرآن الکریم، سورہ حجرات، آیت ۶۔
- ۱۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کیف کان بدا الوحی الی رسول اللہ، رقم الحدیث ۳۔
- ۱۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب اثم من کذب علی النبیؐ، رقم الحدیث ۱۰۷۔
- ۱۳۔ العسقلانی، ابن حجر، النکت علی کتاب ابن الصلاح، مقدمہ، ج ۱، ص ۸۔
- ۱۴۔ طاہر بن صالح ابن احمد بن موهب الجزائری، توجیہ النظر إلى أصول الأثر (حلب: مکتبة المطبوعات الإسلامية، ۱۹۹۵ء)، ج ۱، ص ۶۱۔
- ۱۵۔ ابو داؤد، سنن ابی داؤد، باب ذکر الفتن و دلائلہا، حدیث نمبر: ۴۷۶۳۔
- ۱۶۔ القشیری، مسلم بن الحجاج أبو الحسن، صحیح مسلم، باب فی ان الاسناد من الدین، رقم الحدیث: ۵۔
- ۱۷۔ محمد بن عبدالرحمن مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی (بیروت: دارالفکر، س ن)، ج ۱، ص ۳-۲۔
- ۱۸۔ زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب بن الحسن الدمشقی الحنبلی السلامی، شرح علل الترمذی (اردن: مکتبۃ المنار، ۱۹۸۷)، ج ۱، ص ۴۴۲۔
- ۱۹۔ اسحق، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۲۰۲۔
- ۲۰۔ طفیل، نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، ج ۶، ص ۱۳۔
- ۲۱۔ آپ کا نام مبارک بن فخر الدین حسینی واسطی بلگرامی ہے۔ آپ بلگرام میں پیدا ہوئے اور درسی کتابیں اپنے علاقہ کے جید علماء سے پڑھیں۔ پھر آپ دہلی چلے گئے وہاں خواجہ عبداللہ بن عبدالباقی نقشبندی دہلوی سے درسی کتابیں پڑھیں۔ علم حدیث نور الحق بن عبدالحق اور شیخ ابوالرضاء بن اسماعیل جو کہ شیخ عبدالحق کی اولاد سے تھے حاصل کیا۔ آپ سے عبدالجلیل بن احمد حسینی واسطی اور طفیل محمد بن شکر اللہ وغیرہ نے علم حاصل کیا۔ آپ ایک متقی باعمل عالم تھے۔ آپ بروز سوموار، ربیع الثانی ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں فوت ہوئے۔ (علامہ عبدالحئی بن فخر الدین، نزہۃ الخواطر (بیروت: دار ابن حزم، ۱۹۹۹ء)، ج ۶، ص ۷۹۲)
- ۲۲۔ علامہ عبدالحئی بن فخر الدین، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۵۲۵۔
- ۲۳۔ محمد طفیل، نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۳ء)، ج ۶، ص ۲۰۔
- ۲۴۔ علامہ عبدالحئی بن فخر الدین، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۷۴۷۔
- ۲۵۔ آپ کا نام شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی ہے۔ حدیث میں شاہ ولی اللہ مسند ہند کی سند حدیث ان سے ملتی ہے۔ آپ کے والد نے مختلف اہل علم سے اجازت لے دی۔ جن میں سے اہم محمد بن سلیمان مغربی ہیں۔ آپ کے اہم اساتذہ سید احمد بن ادریس مغربی، شیخ علی الطولونی مصری، المنجم ہاشمی رومی، شیخ حسن عجمی، احمد نخعی، شیخ عبداللہ لاہوری وغیرہ ہیں۔ آپ ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء میں فوت ہوئے۔ (القنوجی، محمد صدیق خان، أجداد العلوم، ج ۱، ص ۶۶۴)
- ۲۶۔ اسحق، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۷۷۔
- ۲۷۔ طفیل، نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، ج ۶، ص ۳۳-۲۳۔
- ۲۸۔ فضل حسین بہاری، الحیات بعد المات (کراچی: مکتبہ شعیب، س ن)، ص ۳۱۔
- ۲۹۔ فیروزپوری، تحریک الہدایت تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۳۵۔
- ۳۰۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، علوم الحدیث فی فکری اور تاریخی مطالعہ (لاہور: ادارہ نشریات، ۲۰۰۹ء)، ص ۶۸۳۔
- ۳۱۔ فیروزپوری، تحریک الہدایت تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۳۵۔
- ۳۲۔ فیروزپوری، ص ۲۳۵۔
- ۳۳۔ طفیل، نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، ص ۴۰۔
- ۳۴۔ ایضاً
- ۳۵۔ محبوب علی شاہ، تیرہویں صدی کے نصف آخر کے بعد علماء برصغیر کی خدمات حدیث (بیان الحکمۃ تحقیقی مجلہ، ۲۰۱۹ء)، ص ۵۔
- ۳۶۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (کراچی: پاکستان بشاریل سوسائٹی، س ن)، ص ۴۶۷۔

- ۳۷ سید اصغر حسین، مولانا محمود الحسن کے حالات و کمالات دارالعلوم دیوبند (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۷۱۔
- ۳۸ سید نفیس الحسینی، قاسم العلوم والخیرات اپنے معاصر تذکرہ نگاروں کی نگاہ میں (لاہور: سید احمد شہید اکیڈمی، ۲۰۰۳ء)، ص ۴۵-۴۲۔
- ۳۹ سید محبوب علی رضوی، "تاریخ دارالعلوم دیوبند،" ماہنامہ الرشید خصوصی اشاعت (دیوبند، ۱۹۷۴ء)، ص ۷۷-۴۰۔
- ۴۰ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا (لاہور: شعاع ادب، سن)، ص ۳۰۶۔
- ۴۱ عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان (لاہور: شاہ رکن عالم مارکیٹ، سن)، ص ۱۵۰۔
- ۴۲ احمد رضا خان بجنوری، مقدمہ انوار الباری اردو شرح صحیح بخاری (دیوبند انڈیا: ناشر العلوم دیوبند، سن)، ج ۲، ص ۲۳۱۔
- ۴۳ بجنوری، ص ۲۲۵۔
- ۴۴ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۱۹۔
- ۴۵ سید عبدالحی بریلوی، نزہت الخواطر (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۵ء)، ج ۸، ص ۸۱۔
- ۴۶ انظر شاہ مسعودی، نقش دوام (کراچی: المکتبۃ البنوریہ، سن)، ص ۱۴۷۔
- ۴۷ مسعودی، ص ۱۶۵۔
- ۴۸ ارشد، بیس بڑے مسلمان، ص ۳۹۷۔